94

السلام

(فرمودہ یکم اکتوبر ۱۹۲۰ء)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:-

"قریباً دو اڑھائی سال کا عرصہ ہوا کہ مَیں نے جمعوں کے خطبوں میں ایک سلسلہ مضامین بیان کرنا شروع کیا تھا۔ ان مضامین کا مقصد یہ تھا کہ ایمان کی عمارت کی تکمیل کیونکر ہو سکتی ہے۔ اور یہ کہ بغیر تکمیل ایمان کے اعلیٰ درجہ کے نتائج کی اُمید ایک جھوٹی اور عبث بات ہے۔ مکان کی ایک دیوار نہ ہو اور انسان سمجھے آندھی کی گرد اور بارش کے پانی سے محفوظ رہے تو نادانی ہے۔ یا مکان کی چھت نہ ہو۔ اور خیال کرے کہ دھوپ اور شبنم سے بچا رہے۔ تو بے وقوفی ہے۔ یا مکان میں پانی کے نکاس کا رستہ نہ ہو اور یہ کہے کہ مکان گرے نہ۔ تو کم عقلی ہے۔ یا مکان میں ہوا کے آنے جانے کے منفذ نہ رکھے اور سمجھے کہ صحت درست اور اچھی رہے گی۔ تو جہالت ہے۔ بارش وغیرہ سے محفوظ رہنے کے لیے چھت اور دیواریں پانی کے نکلنے کے لیے رستہ۔ ہوا کے لیے کھڑکیاں۔ اور روشنی کے لیے روشندان بھی ہوں۔ پھر دروازے بھی ہوں۔ دروازوں کی زنجیریں بھی ہوں۔ تب جا کر مکان مکمل ہو سکتا ہے اگر کوئی شخص ایک چیز پر تو سارا زور خرچ کر دے اور باقیوں کو چھوڑ دے تو مکان مکمل نہیں کہلا سکتا مثلاً دیواریں اُٹھاتا چلا جائے آسمان تک اور چھت نہ ڈالے۔ یا دیواریں بنا کر اُوپر چھت بھی ڈال دے مگر پانی کے نکاس کا انتظام نہ کرے۔ یا نہایت اعلیٰ درجہ کی سفید اور مصفّٰی عمارت بناتے مگر ہوا کے منفذ نہ رکھے تو مکان مکمل اور مفید نہیں ہوگا اور کوئی یہ نہیں کہے گا کہ چونکہ بہت روپے خرچ کئے۔ اور بڑی محنت کی گئی ہے۔ اس لیے یہ مکان بہت اعلیٰ درجہ کا ہے۔ بلکہ یہی کہیں گے کہ مکان کو نامکمل چھوڑ دیا گیا ہے۔

تمام قانون قدرت اسی بات پر شاہد ہے کہ بے ہودہ اور فضول محنت و مشقت کا بدلہ نہیں ملا کرتا برخلاف اس کے تھوڑی مگر صحیح محنت کا بدلہ مل جاتا ہے اگر کوئی شخص سالہا سال محنت

کر کے پہاڑ کی چٹان میں سوراخ کرے اور اس میں بیج ڈال دے۔ تو اس وجہ سے کہ اس نے کئی سال کی محنت کی ہے۔ وہاں اچھی کھیتی نہیں ہوگی۔ لیکن اس کی نسبت نرم زمین میں بہت کم محنت کرنے سے اچھی کھیتی ہو جائیگی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ یہ نہیں دیکھے گا۔ کہ پتھر پر بہت محنت کی گئی ہے۔ اور نرم زمین پر تھوڑی، بلکہ یہ دیکھے گا کہ اس کے بناتے ہوئے قواعد کے ماتحت کس نے محنت کی ہے اور ان کے خلاف کس نے پس نتیجہ ہمیشہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قواعد کے مطابق محنت کرنے سے ہی ملتا ہے۔ ان کو چھوڑ کر خواہ کتنی ہی زیادہ محنت کیوں نہ کی جائے۔ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اس ضمن میں میرا منشاء تھا کہ میں تفصیلی طور پر بیان کروں مگر چار پانچ ہی خطبوں کے بعد ایسے واقعات پیش آئے کہ میں تفصیل سے بیان نہ کر سکا۔ اور تمہید میں ہی انہیں چھوڑنا پڑا۔ پھر گزشتہ سال سے پہلے جلسہ پر میں نے عرفان الٰہی کے اصول بیان کئے تھے اور بتایا تھا کہ عرفانِ الٰہی حاصل کرنے کے لیے اصولی طور پر کیا قواعد ہیں۔ فروعات کے بیان کرنے کا نہ وہ موقع تھا اور نہ میں بیان کر سکا۔ اب اس کی فروع میں سے ایک حصہ کے متعلق میرا ارادہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ توفیق دیگا۔ تو وقتاً فوقتاً بیان کرتا رہوں۔ مگر مصلحت وقت کے لحاظ سے اس ترتیب کو۔ جو میں نے رکھی تھی۔ چھوڑتا ہوں۔ اور ضرورت وقت کے لحاظ سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بیان کرونگا۔

شریعت کے احکام کتنے اقسام کے ہیں۔ ان کے کیا اثرات انسان کی عقل۔ فہم۔ قوت۔ طاقت۔ تعلق باللہ جماعت اور قوم کی ترقی پر پڑتے ہیں۔ اس کا پہلے بیان ہونا ضروری ہے لیکن چونکہ اصلی ترتیب کو میں چھوڑتا ہوں۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں۔ اس حصہ کو بھی چھوڑ سکتا ہوں۔ اور فی الحال میں اس ٹکڑہ کو لیتا ہوں جس میں بنی نوع کے آپس کے تعلقات کے احکام دیئے گئے ہیں۔ اور جن کی نگہداشت کئے بغیر ایمان کی تکمیل ناممکن ہے۔ اس حصہ میں سے بعض احکام بیان کروں گا اور آج کے لیے جو حکم چُنا ہے وہ ایسا ہے کہ اس سے ہر مسلم واقف ہے یا اسے واقف ہونا چاہیئے۔

لیکن چونکہ کثرت سے اس کے استعمال کے مواقع پیش آتے ہیں۔ اس لیے لوگ اسے معمولی خیال کرتے ہیں اور یہ عام بات ہے کہ جو چیز کثرت کے ساتھ استعمال میں یا دیکھنے سننے میں آتے۔ اس کو معمولی سمجھ لیا جاتا ہے۔ دیکھو سُورج کو چونکہ لوگ ہر روز دیکھتے ہیں۔ اس لیے اسے دیکھ کر انہیں خُدا کی صنعت کا خیال نہیں آتا۔ حالانکہ یہ اتنی بڑی چیز ہے کہ اگر اس کا انہیں اندازہ بتایا جائے۔ تو حیران ہو جائیں۔ مگر ایک غبارہ اگر پچاس ساٹھ گز کا دیکھ لیں۔ تو شور مچا دیتے ہیں۔ تو جو چیز روز نظر آتی ہو۔ اس کا اثر آہستہ آہستہ دلوں سے مٹ جاتا ہے۔ اور اسے معمولی سمجھا جاتا ہے اور جو کبھی کبھی

آئے۔اس کا زیادہ اثر رہتا ہے۔ دیکھو مسلمان نماز نہیں پڑھتے۔ روزانہ نماز کے تارک ہونگے مگر عید کی نماز پڑھنے چلے جائیں گے۔ حالانکہ روزانہ نماز ایمان کی تکمیل کے لیے اس کی نسبت نہایت ضروری ہے۔ پھر عید کی نماز تو ایسی ہے۔ کہ اگر انسان اکیلا ہو۔ تو رہ جاتی ہے۔ مگر روزانہ نماز کسی صورت میں بھی چھوڑی نہیں جاسکتی۔ حتیٰ کہ بیماری میں بھی پڑھنی ضروری ہے۔ تو یہ نماز بہت زیادہ افضل اور اعلیٰ ہے مگر لاکھوں آدمی اس کو تو چھوڑ دیتے ہیں اور عید کی نماز کو نہیں چھوڑتے۔ وجہ یہ کہ وہ سال میں ایک دو دفعہ آتی ہے۔ اور یہ ہر روز پڑھنے کا حکم ہے۔ حالانکہ یہ اس سے افضل اور اعلیٰ ہے۔ اُس دن کی فضیلت کی اور وجوہات ہیں۔ اور وہ چھٹی نماز ہے۔ جو اس دن کو افضل بناتی ہے۔ اکیلی عید کی نماز اسکی فضیلت کا باعث نہیں۔ اسکی ایسی ہی مثال ہے کہ کسی کے پاس پانچ روپے اور کسی کے پاس پانچ روپے اور ایک چونیّ ہو۔ دوسرے کا مال پہلے کی نسبت زیادہ ہوگا، لیکن اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ چونیّ روپیہ سے بڑھکر ہے۔ مگر لوگ نادانی سے چونی کو بڑا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اصل میں روزانہ نماز روپیہ کی طرح ہوتی ہے اسی طرح لوگ نمازوں کے تارک ہوتے ہیں۔ مگر روزے آنے پر شور پڑ جاتا ہے۔ حالانکہ گو روزے فرض ہیں مگر نماز کی نسبت کم ہیں۔ اور یہ اس درجہ پر نہیں۔ جس درجہ پر نماز ہے وہ بھی دین کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ مگر نماز زیادہ ضروری ہے۔

تو جو چیز دیر کو آتی ہے۔ اس کو عزت سے دیکھتے ہیں اور جو روزانہ کی ہے۔ اسے معمولی سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح جو چیز آسانی سے حاصل ہو جائے۔ اسے معمولی سمجھا جاتا ہے اور جس پر محنت صرف ہو۔ اس کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ حالانکہ بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں۔ وہ بعض اوقات کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہیں۔ اور بعض اوقات بڑی بڑی کچھ نتیجہ نہیں پیدا کرتیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پیشاب اور پاخانہ کے وقت ابن عباسؓ لوٹا رکھ دیتے تھے۔ اتنی سی بات کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے وہ دُعا کی۔ جو جنگوں پر جانے والوں کے لیے بھی نہیں فرمائی۔ چنانچہ ان کے لیے تو فرمایا۔ اللھم فقھہ فی الدین[1]۔ مگر لڑائی پر جانے والوں کے لیے یہ نہیں فرمایا۔ تو کاموں کے لیے بڑائی اور چھوٹائی صرف محنت سے نہیں دیکھی جاتی بلکہ اور بھی وجوہات ہوتی ہیں۔

اس وقت میں جو حکم بیان کرنے لگا ہوں۔ وہ بھی ایسا ہی ہے اور وہ سلام کا حکم ہے اسلام

---

[1] بخاری و مسلم بروایت مشکوٰۃ کتاب المناقب اہل البیت

نے تاکید کی ہے اور قرآن میں بھی آیا ہے۔ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ تَحِیَّۃً مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ مُبٰرَکَۃً طَیِّبَۃً (النور ۶۲) کہ جب گھروں میں داخل ہو۔ تو سلام کرو۔ اس میں خوبی یہ ہے کہ یہ نہیں فرمایا: فسلموا علی اخوانکم۔ بلکہ یہ فرمایا علی انفسکم کہ اس کا فائدہ تمہارے اپنے ہی نفسوں پر ہوگا۔

یہ ایک ایسا حکم ہے کہ رسول کریمؐ کے ارشاد کے ماتحت ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان سے ملتے وقت بجالانا چاہیئے۔ چونکہ اس کا موقع ہر وقت ملتا رہتا ہے۔ اس لیے عام طور پر لوگ اسے معمولی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایسا ضروری ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ یہ جنت میں جانے کا ذریعہ ہے اور فرمایا ہے۔ مسلمانوں کے اتفاق و اتحاد کی بنیاد اسی پر قائم ہے چنانچہ فرمایا۔ آپس میں سلام کرو۔ سلام سے محبت پیدا ہوتی ہے اور محبت کے ذریعہ ہی جنت میں داخل ہونا ہے[1] مگر افسوس اب بہت سے ایسے لوگ مسلمانوں میں موجود ہیں۔ جو سلام کو ترک کر بیٹھے ہیں۔ اور ایسے لوگ غیر احمدیوں میں ہی نہیں کسی قدر قلیل تعداد احمدیوں میں بھی ہے۔ ایسے لوگ بجائے سلام کے ایک دوسرے کو آداب وغیرہ الفاظ سے مخاطب کرتے ہیں۔ اور جو السلام علیکم کہے۔ اسے کہتے ہیں۔ پتھر مار دیا۔ حالانکہ وہ خود اسلام کے ایک حکم اور رسول کریمؐ کے ارشاد کا انکار کرکے اپنے اوپر پتھر گراتے ہیں۔ اور جو مرہم ہے اسے پتھر سمجھتے ہیں۔ السلام علیکم کے معنے ہیں کہ زخم بھر جائیں۔ مگر نادان کہتے ہیں۔ یہ پتھر مار دیا۔ اور اس شخص سے زیادہ احمق اور کون ہو سکتا ہے۔ جو مرہم کا نام پتھر رکھے۔ تو مسلمانوں کا ایک حصہ تو ایسا ہے۔ جو سلام کہنے کا بالکل تارک ہے۔ اور دوسرا ایسا ہے۔ جو تارک تو نہیں، لیکن اس کی حقیقت سے ناواقف ہے۔ ایسے لوگ مجلس میں آئیں گے۔ اور چپ کرکے بیٹھ جائیں گے۔ گھروں میں داخل ہونگے اور خاموش ہو کر بیٹھ رہیں گے اور انہیں خیال بھی نہ آئے گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس موقع کے لیے کوئی حکم ہے۔

بعض کہدینگے معمولی بات ہے اگر سلام نہ کہا۔ تو کیا ہوا بعض کہیں گے۔ حیا کی وجہ سے نہیں کہا۔ بعض کہیں گے عادت نہیں۔ مگر یہ تینوں قسم کے لوگ نادان ہیں۔ حیا کے معنے ہیں رُکنا اور رکنا ایسی باتوں سے چاہیئے۔ جو مضر ہوں نہ کہ ان سے جو فائدہ مند ہوں اور پھر وہ جن کا فائدہ روحانی ہو۔ اسی طرح اسے معمولی نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اس کا فائدہ مرنے کے بعد قیامت تک ملتا رہیگا۔ پھر یہ

---

[1] مسلم برروایت مشکوٰۃ کتاب الاداب باب السلام

اس لیے معمولی نہیں کہ قرآن میں اس کے متعلق حکم دیا گیا ہے اور بیسیوں ایسے احکام ہیں۔ جن کا قرآن میں ذکر نہیں۔ مگر اس کا ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تحفہ ہو۔ اس کو کون معمولی کہہ سکتا ہے۔

قرآن کریم میں اور کسی چیز کو اس رنگ میں تحفہ نہیں کہا گیا۔ جیسے سلام کو کہا گیا ہے۔ حتیٰ کہ مرنے کے بعد جو تحفہ خدا کی طرف سے انسان کے لیے آتا ہے۔ وہ بھی یہی ہے کہ فرشتے آکر خدا تعالیٰ کی طرف سے سلام پہنچاتے ہیں۔ کوئی بڑے سے بڑا آدمی ہو۔ جو کہے۔ مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں کسی کو سلام کہوں۔ ہم کہیں گے۔ خدا تعالیٰ نے بھی جب اپنے اوپر واجب کر دیا کہ سلام کہے۔ تو اور کون ہے۔ جو اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر اس کی ضرورت نہ رکھتا ہو۔ سب سے پہلی چیز جو بندہ کو خدا تعالیٰ کی ملاقات کے وقت دیجاتی ہے۔ وہ یہی سلام ہے۔ جبرئیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ تو آپ کو سلام کہا[1]۔ اور رسول کریمؐ ان کو دیکھ کر سلام کہتے ہیں۔ ان سے بڑا کونسا انسان ہے جسے سلام کہنے کی ضرورت نہ ہو۔ مگر بہت لوگ ہیں۔ خصوصاً انگریزی تعلیم یافتہ جو سلام کو بہت حقیر چیز سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے عمل سے رسول کریمؐ۔ جبرئیل حتیٰ کہ خدا تعالیٰ سے بھی اپنے آپ کو بڑا قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ جس حکم کو بہت سی حکمتوں کے ماتحت خدا تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ بلکہ اپنی ذات کے لیے بھی رکھا ہے اور جس کی تاکید رسولِ کریمؐ نے کی ہے۔ اور خود جبرئیل کو کہا ہے۔ اس سے یہ لوگ اپنے آپ کو مستغنی سمجھتے ہیں۔ اول تو صرف ہاتھ سے اشارہ کر دیتے ہیں یا اتنا بھی نہیں کرتے۔ یا ایک دوسرے سے یوں ملیں گے۔ مولوی صاحب۔ اور اس کے جواب میں کہہ دیا جائیگا۔ بھائی صاحب۔ یا یہ کہ شاہ جی۔ کیا حال ہے۔ اسی قسم کے فقروں کو انہوں نے سلام سمجھ لیا ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک دوسرے کے ساتھ تین انگلیاں ملا دینگے اور یہ مصافحہ ہو جائیگا۔ لیکن شریعت کا یہ حکم نہیں۔ شریعت نے السلام علیکم کہنا ضروری قرار دیا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اتفاق و اتحاد کی جڑ ٹھہرایا ہے۔ اور نجات کا ستون بنایا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ دریافت کیا گیا۔ کہ بہتر سلام کیا ہے۔ تو آپ نے خاص حکموں میں سے بتایا کہ غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلانا اور کسی کو جانو یا نہ جانو۔ سلام کہنا[2] یہ دونوں باتیں اتفاق و اتحاد کی جڑ ہیں۔

آج میں خطبہ کو یہیں بند کرتا ہوں۔ کیونکہ وقت زیادہ ہو چکا ہے۔ مگر تاکید کرتا ہوں کہ یہ ایک

---

[1] مشکوٰۃ کتاب الفتن باب فی اخلاقہ صلی اللہ علیہ وسلم [2] بخاری و مسلم بروایت مشکوٰۃ کتاب الاداب باب السلام

خاص حکم ہے جو اسلام نے دیا ہے اور جس کے متعلق رسول کریم نے تاکید فرمائی ہے۔ صحابہ اس کے اس قدر پابند تھے کہ ایک دن عبداللہ ایک صحابی کے پاس آئے اور کہا آؤ۔ بازار چلیں۔ صحابی نے سمجھا کوئی کام ہوگا۔ چل پڑا، لیکن وہ بازار میں سے گھوم کر یونہی چلے آئے۔ نہ کوئی کام کیا اور نہ کوئی چیز خریدی۔ دو تین دن کے بعد پھر آئے اور کہا آؤ بازار چلیں۔ اس صحابی نے کہا۔ اس دن آپ نے نہ کچھ خریدا اور نہ کام کیا۔ آج کوئی کام ہے۔ انہوں نے کہا۔ مَیں بازار اس لیے جاتا ہوں کہ بھائی ملتے ہیں۔ وہ ہم کو سلام کہتے ہیں ہم ان کو سلام کہتے ہیں[1]۔ تو صحابہ بازاروں میں صرف سلام کہنے کے لیے بھی جاتے تھے۔ تمہیں بھی چاہیئے کہ بازاروں میں محلوں میں مجلسوں میں گھروں میں جہاں کسی سے ملو سلام کہو۔ جاننے والوں کو سلام کہو۔ نہ جاننے والوں کو سلام کہو۔ اگر دعا کوئی چیز ہے۔ اور ہر مسلمان مانتا ہے۔ کہ بہت بڑی چیز ہے اور اسلام کے رکنوں میں سے ایک رُکن ہے۔ اور سلام اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔ تو سب اولیاء۔ اور خدا کے پیاروں کا یہ بھی متفقہ مسئلہ ہے۔ اگر کوئی دُعا زیادہ قبول ہونے والی ہوتی ہے تو وہی ہوتی ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی سکھائی ہوئی ہو۔ اور وہی دُعا ہے۔ پھر کیسا نادان ہے وہ انسان جو سجدہ میں ناک رگڑتا اور دُعائیں کرتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی اس دُعا کو استعمال نہیں کرتا۔ جو شخص خدا تعالیٰ کی سکھائی ہوئی دُعا کو نہیں لیتا۔ خدا تعالیٰ اس کی سجدہ میں کی ہوئی دعا کو کب سُنتا ہے۔ پہلے خدا کی سکھائی دُعا کو رستوں میں گھروں میں ملنے والوں سے جُدا ہونے والوں سے اپنوں سے۔ بیگانوں سے واقفوں سے۔ ناواقفوں سے کریگا۔ اور پھر جا کر خدا تعالیٰ سے دُعا مانگے گا تو سُنے گا کہ مَیں نے جس دُعا کا حکم دیا تھا وہ کر آیا ہے۔ اب مَیں اس کی دُعا سنوں پھر اس کے محبت اور اتفاق کے لیے بہت اثرات ہیں۔ اور اگر ضرورت ہوئی۔ تو ان کو پھر بیان کر دوں گا۔"

(الفضل ۷ر اکتوبر ۱۹۲۰ء)

---

[1] مشکوٰۃ کتاب الاداب باب السلام